Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2025; Vol 04 (Issue 01)

P. 19-36 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر محمد عمران ازفر

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

حسن رضا

لیکچرار اردو، الفجر کالج ماڑی انڈس میانوالی

Dr. Muhammad Imran Azfar

Assistant Professor Urdu, University of Sargodha

Hassan Raza

Lecturer Urdu, Al Fajr College Mari Indus Mianwali

جدیدیت

(معنی مفہوم اور تناظر)

Modernity
(meaning and context)

Abstract:

Modernism is socio-political and literary theory, which belongs to literature, art, philosophy and other social sciences. Modernism is a global movement in social and cultural discourse, which came into discussion in the last decades of 19th and early decades of 20th century. This socio political, economical and cultural debate sought a new alignment by the help of experience and values of modern era and modern industrial life. This particular sicio-literary debate create impact upon literature, visual arts, music, photography, archeology and other thoughts or actions regarding new man's life, which particularly make it new by abstraction, experiment, modern thinking, philosophy, contemporary politics, growing architecture and social issues via subjective experimental discourses. It centred around thought process, belief and sence of feelings according to contemporary alinetion from prevailing optimism, morality, actions or conversations. Modernism has a strong desire and belief to change the situation which is going on today and wish to change the situation, how human being interact and create

legacy together in social life. In this article we try to define the meaning and impact procedures of modernism in our society and its original story from Western literary and cultural diversity. By using qualitative research methodology, we do possible effort to prove the sence of making something new and the difference between modern, classics and romantic.

Keywords: Modernism, Classics, Marxism, Imagism, Contemporary Politics, Cultural Discourse, Industrialization, Global Village.

جدیدیت سے مراد وہ ذہنی کیفیت ہے جو جمود کے خلاف پیکار ہو۔ جدیدیت کا متضاد قدامت ہے۔ قدامت سے مراد وہ ذہنی کیفیت ہے جو جمود کے باعث سیاسی سماجی اور تمدنی زندگی میں جاری یکسانیت کے سبب سے رونما ہوتی ہے۔ جدید ذہن اس قدامت بنیاد صورت کو فوراپر کھ لے گا اور اسے قبول کرنے کی بجائے، اس میں بدلاو کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ قدامت پرستی حالات کو پرانے اور ڈھیلے ڈھالے طرز پر رکھنے کی خواہش مند رہتی ہے جبکہ جدید ذہن ان رونما ہونے والی تبدیلیوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ جدیدیت کا سارا جوہر اس مفروضہ میں پنہاں ہے کہ انسانی زندگی تغیر اور تبدیلی سے آشنا ہوئے بنا آگے نہیں بڑھ سکتی اور نہ ہی ترقی کر سکتی ہے۔ قدیم دماغ فطرت کے قانون تغیر پذیری سے متصادم ہوتا ہے۔ کائنات کی تمام تر خوبصورتی، اس کی ہماہمی اور رنگارنگی اس کے جدت پرست مزاج میں ہے جو مسلسل تغیر اور بدلاؤ کی کیفیت سے دوچار رہتا ہے۔

انسانی مزاج کا خاصہ ہے کہ وہ نئی اشیا نئے خیالات نئے حوادث کو نسبتاً مشکل سے قبول کرتا ہے۔ یہ سچائی ہے کہ انسانی تہذیب ثقافت سماجیات اور ادب کی دنیا میں نئی چیزیں بڑی دقت سے قائم ہوتی ہیں۔ یہ عام طور پر پہلے سے موجود اشیاء اور اموال میں تھوڑا زیادہ رد و بدل کر کے اور ادہر کی شئے کو ادہر کر کے پرانی چیزوں کو نیا رنگ عطا کرتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب جدیدیت نے ادب میں جگہ بنانے کی کوشش کی ہے تو تب ہی ایک شدید ہلچل چاروں طرف مچا دی جاتی ہے۔ جدیدیت کے معنی اور مفہوم کے حوالے سے انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز میں لکھا ہے:-

> "Modernism may be described as the attitude of mind which tends to subordinate the traditional to the novel and to adjust the established and customary to the exigencies of the recent and innovating" (1)

جدیدیت پرستی شعری اور ادبی پیرائے میں اظہار کی آزادی پر زور دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس نے فنون کے تمام مروج ساختوں کو چیلنج کیا یا پھر ان اصول و ضوابط کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ جدیدیت نے غنائیت، ہم آہنگی اور ایسے دوسرے

کلاسیکی عناصر کو موسیقی سے نکال باہر کیا۔ جدید افکار نے مصوری میں تصویر کاری اور راست اظہار کے متفرق تناظرات کا خاتمہ کر دیا، جس کے بعد ابہام اور تجرید بطور تخلیقی تکنیک کے مصوری کے چلن میں عام ہوئے۔ جدید طرز احساس نے فن تعمیرات کے رائج طریقہ کار جیسے آگے کی طرف بڑھی ہوئی اور جھکی ہوئی چھتیں، پر کشش اور طرح دار گنبد، دائروی غلام گردشیں اور طویل الاقامت ستون، دیار اور زیتون سمیت دیگر مہنگی لکڑی کا باریک کام، پتھروں کی تراش خراش اور سادہ اینٹوں کی جگہ کام کی ہوئی اینٹوں کا استعمال ترک کر دیئے گئے۔ ان کی بجائے تعمیرات کے شعبے میں جیومیٹری کی راست تنظیم اور شیشے کے کام نے لے لی۔ ادبی پیرائے میں روایتی حقیقت نگاری، سادہ بیانیہ، تاریخی پلاٹ، کہانی کار کی جگہ مصنفین کی طرف سے نئے تجربات کیے گئے۔ جن سے ادبی ساخت، ہیتیں اور پیرائے متاثر ہوئے۔

جدیدیت کے پھیلاو اور مسلسل افزائش کے حوالے سے 1910ء سے 1930ء تک کا زمانہ انتہائی زرخیز اور بہترین عہد ہے۔ جدیدیت اپنی فکری بنیاد میں خود بھی سماجی سائنس ہے۔ جس نے ڈارون، فرائیڈ اور مارکس کی بیان کردہ نئی سیاسی، سماجی، تشکیل اور تمدنی ثقافتی تفاعل کو نہ صرف کھلے بندوں تسلیم کیا بلکہ اس کے توسل سے فرد اور سماج کے مابین نئے رشتوں کی تشکیل، افزائش اور استحکام کے لیے نئے اسرار و رموز کے لیے راہیں ہموار کیں۔

ٹی ایس ایلیٹ، ایذرا پاؤنڈ، جیمز جوائس، ژاں پال سارتر، لیوی سٹراؤس، و ہم لیوس، ایچ ای ہیوم، ورجینیا وولف، گرٹ روڈ سٹائن، مرسل پروسٹ، اندرے بید، فرانز کافکا، اسٹیون ملارمے وغیرہ نے تاثر پرستی، داخلیت، معروضیت، ابہام، بکھراؤ اور لخت لخت ایسے تجربوں اور تکنیکوں سے نئے معاصر ادب کا نقشہ کھینچا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جدیدیت کے زیر اثر حقیقی معنوں میں ادب اور فن کے مختلف پیرائے تخلیق اور تشکیل کیے گئے۔

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کی جانب سے پیش کردہ تعریف کو دھیان میں رکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جدیدیت ایک ذہنی اور فکری ڈسکورس ہے۔ جو روائتی فکری ساختے کے بجائے نئے ذہنی اور فکری تصورات کو اہمیت دیتا ہے اور مروج پر تحقیق و جستجو کے نئے قرینوں کا قائل ہے۔ گویا جدیدیت کی اساس رائج کو قبول کرنے کی بجائے نئے کی تلاش پر استوار ہے۔ اسی طرح کے کچھ معنی کیمبرج انٹرنیشنل ڈکشنری کی طرف سے سامنے آتے ہیں۔ جن کی رُو سے:-

"Modernism seeks to find new forms of expression and regects traditional and accepted ideas" (2)

جدیدیت نئے ساختوں کی تلاش میں رہتی ہے اور روائتی طور طریقوں کو رد کرتی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدیدیت کا ہدف نئی، فنی، فکری، جذباتی اور احساساتی غرض انسانی زندگی کے انفراد اور اجتماع کو روبرو رکھتے ہوئے نئی دنیائیں تلاش کرنا اور انہیں نئے پیرائے میں بیان کرنا ہے۔ ادبی متون کی اسلوبیاتی روایت کے جوہر کا تعین کیا جائے تو معلوم پڑے گا کہ ادب پارے کی معنوی اور مادی، موضوعاتی ساخت میں خیال کی حیثیت بنیادی جوہر کی سی ہے۔ یعنی یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کسی بھی ادب پارے کے اسلوب سے لطف اندوز ہونے کے لیے لازمی ہے کہ اس میں بیان کردہ خیال کی کیفیت سے مکمل طور پر اگاہ ہو کر، اس سے حظ اٹھایا جائے۔ ادب میں معنی آفرینی، شاعری میں شعریت اور موضوع سے متعلق نازک خیالی کی مانند خیال آفرینی کی کوئی جامع تعریف تلاش کرنا مشکل ہے سادہ ترین لفظوں میں خیال وہ رس ہے جس کے ذائقے سے پوری تحریر کے ذائقے کا تعین ہوتا ہے۔ ادب کا بنیادی وظیفہ حیات و ممات کی حقیقت کو ادبی قالب میں ڈھال کر پیش کرنا ہے۔ تخلیق کار جس واسطے سے حقیقت کو بیان یا تخلیق کرتا ہے۔ اگر مبینہ صداقت سے اس کا رشتہ نازکی کی بنیاد پر ہو تو متن میں نازک خیالی کی خوبی در ائے گی یہی صورت ادب پارے کے اصل خیال سے متعلق ہو جائے اور متعلقہ سچائی کا معاملہ ضمنی رہ جائے تو ادبی متن میں خیال بندی کا جوہر تمام ہو جائے گا۔

گویا اس میں ایک پہلو موضوع سے منسلک ہے جبکہ دوسرے کا ربط ہیت کے تکنیکی اور فنکارانہ تمثال کے ساتھ ہے اور ہیت کا یہ اظہاری قرینہ موضوع سے زیادہ تکنیک کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ اردو شعر و ادب کا تحقیقی تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ جدیدیت وہ پڑاو ہے، جس نے اردو ادب کو موضوع اور ہیت ہر دو حوالوں سے خوب متاثر کیا ہے۔ نئی نظم ہو یا جدید فکشن، اس میں ہیتی ساختے کے ساتھ خیال کی موضوعاتی نہاد کو خاص توجہ اور دلچسپی کے ساتھ دیکھا سمجھا اور بیان کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اردو میں ایہام گوئی اور اصلاح زبان کی تحریکیں خاص اہمیت کی حامل رہی ہیں، جن کی زمانی ترکیب اور ادب کی روایت کے ساتھ وابستگی کی نہج انہیں اپنے وجود اور اس کے ساتھ وابستہ امکانات کے سبب سے اہم ادبی تاریخی واقعات کی فہرست میں جگہ فراہم کرتی ہے۔ جنہوں نے اردو ادب کو موضوع اور تکنیک ہر دو سطحوں پر متاثر کیا اور ادبی متون اور قاری کے مابین رشتوں کی نئی راہیں دریافت کرنے کے علاوہ، ہندوستانی پراکرتوں اور برجو کی اساس پر ساختہ اردو ادب کو، تشکیل و افزائش کے ابتدائی پڑاو پر اہم موڑ سے آگاہ کرتی ہیں۔

جدیدیت کی ادبی تحریک نے اردو ناقد کو جدت اور جدیدیت میں تفریق کرنے کی صلاح دی اور پہلی مرتبہ تنقید کو بطور منظم ادبی سرگرمی کے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی تشکیل اور اثر اندازی کے تفاعل پر بالخصوص توجہ مرکوز کی۔ بیسویں صدی علم

پروری، سماج کی تشکیل اور مثبت سماجی سرگرمی کے فروغ میں فلسفی اور تخلیق کار کی اہمیت وضرورت اور ادبی متون کی پیش کاری کے متفرق پہلوؤں میں ان دو کے کردار کا بغور جائزہ لیتی ہے۔ یہ اس امر میں تخلیق کار اور قاری / سامع کے درمیان رابطے کی تشکیل کے مختلف امکانات کا پہلو بہ پہلو مشاہدہ و مطالعہ کرتی ہے۔ بیسویں صدی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ انسانی تاریخ کے سست رو قافلے میں اپنی فنی، فکری اور شعوری اہمیت کے سبب سے اہم پڑاو کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ جس نے مشینی، اقتصادی اور ثقافتی معاشی سرگرمیوں میں اپنے نظریہ و خیال اور فکر و نظر میں انقلاب آفرینی برپا کرنے کے سبب سے نہایت اہمیت حاصل کرلی۔ یہ وہ زمانی وقفہ ہے جب انسان نے اپنے اجتماعی اور انفرادی تفاعل کو نئی نگاہ سے دیکھنے، پرکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ اس صدی میں ہونے والی دو عظیم جنگوں نے انسانی وجود اور اس کے فکر و خیال سے جڑے کئی تصورات کو نہ صرف رد کیا بلکہ اس تناظر میں غور و خوض کے کئی نئے راستے بھی فراہم کیے۔ معنی و مفہوم میں وسعت اور انسانی زندگی کے ساتھ بڑے پیمانے پر تعلق رکھنے کے باعث جدیدیت کے بارے میں کئی طرح کے فنی، فکری، نظریاتی ابعاد وابستہ ہو چکے ہیں۔ جن کی اصل وجہ اس تھیوری کا ایک سے زیادہ وجوہ اور حوادث کے باعث انسان اور اس کی حیات کے متفرق سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، انفرادی و اجتماعی تعاملات کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنا ہے۔

جدید فکری اور فنی ساخت نے انسان کی تنہائی، مایوسی، اعصاب زدگی، اطراف سے لاتعلقی، داخلی انتشار ایسے اور کئی دیگر مظاہر و تصورات کو ہی بیان نہیں کیا ہے بلکہ اس نے اپنے فکر و عمل سے انسانیت کی عظمت کے گیت بھی گائے ہیں اور نئی پیچیدہ سماجی، سیاسی اور معاشرتی صورت حال میں فرد اور سماج کے باہمی روابط کو بھی کمال خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جدیدیت کو محض ایک تحریک یا طرز فکر کہہ دینا درست نہیں بلکہ یہ فکر، احساس اور انسانی جذبات و ادراک سے جڑا علوم و فنون کا ایک مکمل اور باضابطہ نظام ہے۔ جو حقیقت پرستی، انسان پرستی، وجود پرستی، تمثال کاری، دادا ازم، لغو پرستی، سررئیلزم، تاثر پرستی یا تاثریت، اظہار پرستی یا اظہاریت، کعبیت پرستی یا کیوبزم، اور تیز رنگوں کی پسندیدگی پر بنیاد رنگ پرستی یا فیوازم وغیرہ کی صورت اپنے منفرد فنی فکری اور نظریاتی ابعاد کا ایک سلسلہ وار نظام قائم کرتی ہے، جو فکر، خیال، اسلوب اور پیشکش کے باب میں روایت کی تردید اور نئے روایتی تصورات کی تشکیل و استحکام کے باب میں نئے ڈسکورس متصور کرتا ہے۔ جنہیں عمومی تنقیدی پیرائے میں جدیدیت کے مختلف نشانات کے ساتھ جوڑا جاتا ہے اور اسی تناظر میں معنی کی تفہیم کے در وا کرنے کی سعی کی جاتی ہے (اس حوالے سے مزید ڈسکورس مضمون کے آئندہ پڑاو میں پیش کیا جائے گا)۔ لہٰذا جدیدیت کو محض ایک تحریک یا ایک فکری ڈھانچہ قرار دینا کسی بھی حوالے سے درست نہیں۔ یہ انسان پرستی سمیت کئی دوسرے مظاہر یا آئیڈیالوجی کی پیش کار ہے۔ جس

نے رائج تصورات کی تردید پر نئے فکری ساختے تشکیل دیئے۔ شعر و ادب کی پرانی مروجہ روایات کو بدل دیا۔ ادب اور زبان کے رائج تصورات کی عمارت کو گرا کر اِسے نئے سرے سے تعمیر کیا۔ زبان کے ساتھ اظہار کے علامتی سانچوں کو متشکل کیا اور یوں شعر و ادب، موسیقی، مصوری سمیت فنون کے سب جاری تصورات پر نئی پچی کاری کی اور اسی نئے پن کو جدیدیت کے نام سے شناخت پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اگر ہم کہیں کہ 19 ویں اور 20 ویں صدی میں فن کے رائج تصورات کی تردید پر جو عمارت استوار کی گئی اور جس نے جذبے اور احساس کی تمام کلاسیکی تشریحات کو زمین بوس کر دیا، یہی "جدیدیت" کا عملی اطلاقی روپ ہے تو غلط نہ ہو گا۔ جدیدیت کی اس تحریک نے اپنے فکری اور فنی امکانات کی وسعت کے سبب سے انسانی زندگی کے تمام منطقوں کو متاثر کیا اور جدید اور قدیم کے ڈسکورس کے پھیلاؤ کی نئی راہیں ہموار کیں۔

روایتی طور پر جدیدیت وہ طرزِ فکر و عمل ہے، جو کائنات کی مسلسل جاری مشق کو نئے طور طریقوں، نئے منطقی استدلال کے ساتھ پرکھے اور بیان کرے جبکہ گذشتہ پون صدی میں اُبھرنے والی مغربی جدیدیت سے مراد دو عظیم محاربوں اور ان سے برپا ہونے والی قتل و غارت گری کی خوفناک کہانیوں سے اثرات قبول کرتے ہوئے ابنِ آدم نے زندگی کی گذران اور اس کے معنی کی تفہیم کے لیے جو اصول و ضوابط وضع کیے وہ جدیدیت کے زمرے میں آتے ہیں۔ دو عظیم جنگوں نے اپنے ہولناک اثرات اور دل کو دہلا دینے والے نتائج کی وجہ سے انسان کے لیے انسانیت، زندگی، رشتے ناطوں کے تصورات کو بدل کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ لفظ اور معنی کے ڈسکورس مشکوک ہو گئے۔ خود انسان کی عظمت اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کے دعویٰ جھوٹ اور محض لفظی بت محسوس ہونے لگے، شاعروں مصوروں نے کلام اور تصویر کی طویل کلاسیکی روایت کو رد کر دیا۔ شعرا نے ابہامی، لایعنی اور بے ترتیب ادب پیش کیا تو مصوروں نے تجسیم پر تجرید کو فوقیت دی۔ انہوں نے حسن، فطرت اور نسائیت سے بھری پینٹنگ کی جگہ ایبسٹریکٹ آرٹ کے نمونے پیش کیے جن میں عورت کو اونٹنی کے اعضاء میں پیش کیا گیا تو حسین عورت کو سانپ کے قالب میں ڈھال کر معنی کی سطح پر روایت کے تمام ساختوں کو تہہ و تیغ کر دیا گیا۔

جدیدیت کے پیروکار مصوروں نے مونالیزا کے چہرے پر بڑی بڑی پُر شکوہ اور رُعب دار مونچھیں تراش دیں گویا حسن پر رعب اور دبدبہ فوقیت لے گیا اور انسانی زندگی میں حسن، احساس اور خود انسان کے حوالے سے طویل عرصے سے رائج تصورِ معنی کو رد کر دیا گیا۔ جدیدیت اپنی مجموعی اساس میں ان ہی جنگوں اور ان سے تشکیل پاتی صورتحال کے خلاف ادبی اور فنون کی سطح پر ردعمل ہے۔ ایسا ردعمل جس نے انسان اور انسانی معاشرے کے حوالے سے جاری تصورات کو منہدم کیا اور زمانی ترتیب کے مطابق نئے حسی، جذباتی، تجرباتی غرض ہر طرح اور ہر سطح کے ماحول اور صورت احوال کے لیے نئے اسرار وضع کیے۔

دوسری جنگ عظیم کے اختتامی دورانیہ میں ہزاروں مُردوں پر مشتمل اجتماعی قبروں کے چشم دید نظاروں نے، خدا کتاب اور سزا و جزاء پر ایقان رکھنے والے عیسائیوں اور یہودیوں کے آخرت اور فرشتوں کے سوال جواب کے تصورات کو ملیامیٹ کر دیا۔ الغرض دوسری جنگ عظیم کے بعد زندہ رہ جانے والے انسانوں کے لئے زندگی اور معاشرے کے معنی بالکل بدل چکے تھے اور ان تبدیل شدہ خیالات کے حقیقی تمثال جدیدیت کے پارہ پارہ خیالات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

افتخار حسین نے جدیدیت کے فکری اور فنی پیرائے کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اپنے مقام اور اپنے عہد میں تمام تغیر آفریں افکار و واقعات جدید تھے" (3)

افتخار حسین کی رائے جدیدیت کو وقت کی قید سے آزاد کر کے فکری ڈسکورس کے ساتھ جوڑتی ہے۔ جس سے مراد ہر زمان و مکان میں سامنے آنے والے افکار اگر مروج پیرائے کو فنی اور فکری سطح پر رد کرتے ہیں تو وہ گویا جدید ہیں اور حقیقت میں یہی جدیدیت کا حقیقی جوہر بھی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جدیدیت کے فکری اور فنی مظاہر کو مختلف ناقدین نے مختلف انداز پر بیان کیا ہے۔ بعض ناقدین اسے فکری جوہر کے ساتھ جوڑتے ہیں تو بعض ناقدین اسے زمانی ترتیب کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اور کوئی اسے اضافی شئے قرار دیتا ہے۔ جدیدیت کا اضافی موقف رکھنے والے ناقدین کا خیال ہے کہ یہ ہر عہد میں پائی جاتی ہے اور اسے کسی خاص واقعے اور حادثے کے ساتھ جوڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ افتخار حسین کی رائے کو بھی اضافی فکری دائرے کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ جدیدیت کو کسی عہد یا کسی سرزمین سے جوڑ کر دیکھنا درست نہیں بلکہ جدیدیت زمان اور مکان کی قید سے آزاد ایسا فکری پیراڈائم ہے۔ جو فکر اور فن کو مروج اور قدیم سانچوں اور خیالات سے الگ کر کے، انہیں نئے طور پر کہنے، پیش کرنے اور بیان کرنے کا عملی نظام ہے۔ یعنی جدیدیت دراصل اظہار کا ایک قرینہ ہے۔ جو محض خیال کی مجرد حالت نہیں۔ کوئی بھی شئے، واقعہ، حادثہ اس وقت تک جدید نہیں ہو سکتا جب تک وہ اظہاری قرینے سے اپنا آپ بیان نہ کر دے۔

اظہار پانے کے بعد یہی جدیدیت ایک وقت میں قبول عام کا درجہ حاصل کر کے کلاسیک کہلائے گی۔ گویا جدیدیت کا ایک رُخ، اپنے آغاز کے زمانے میں عوامی اور بڑی سطح پر رد اور عدم قبولیت کا سامنا کرنے والا نظریاتی ساختہ بھی ہے کہ جدید نظریات ہماری رائج ثقافتی اور اخلاقی نفسیات کی توڑ پھوڑ کرتے ہیں۔ لہاذا انسانی ذہن اسے تیزی کے ساتھ رد کرتے اور اس کی قبولیت کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا جوہر اقدار اخلاق اور تہذیب و ثقافتی کی شکستگی یا سرے سے تردید نہیں بلکہ یہ رد کرنے کا عمل اسے نئی روح اور نئے سانچوں سے مملو کرنا ہے۔

جیسے جیسے یہ سچائی عام ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے جدید افکار کی قبولیت کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اسے عوامی سطح پر آہستہ روی سے قبول کیا جاتا ہے اور جب یہ معاشرے کے سیاسی، سماجی تفاعل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے تو آخر کار کلاسیکی روایت میں شامل ہو جاتا ہے۔ چونکہ جدیدیت تہذیب، اخلاق، قدرِ انسانی کو ہم عصر ماحول کی سچائی کے ساتھ بدلتی اور اس کی تنظیم نو کرتی ہے۔ تو اس میں پیش کردہ ادبی، سیاسی، فنکارانہ عقائد وقت کے ساتھ روایت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یوں ایک وقت کی جدیدیت دوسرے زمانے کی کلاسیکیت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ جدیدیت کے پیش کار محدود رہتے ہیں کیونکہ ہر جدید فکر زمانی تسلسل میں کلاسیک کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور یوں وقت کی گذران کے ساتھ کلاسیکی سرمائے میں اصافہ ہوتا رہتا ہے۔ اپنے زمانے میں گردن زدنی قرار دیا جانے والا سقراط نہ صرف اُس عہد میں جدید تھا بلکہ آج کلاسیک کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ ولی دکنی اپنے عہد کا جدید شاعر ہے۔ جس نے موضوعاتی اور ہیتی سطح پر اردو شاعری کی نئی راہیں متعین کیں۔ جس نے اردو شاعری کے جنوب ہندی منطقے میں، مثنوی کے عروج کے زمانے میں غزل کے توسط سے اپنی تخلیقی کائنات کو سراپا نگاری کے فن سے وسعت انگیز کیا اور آج اردو شاعری کے کلاسیکی سرمائے میں نمایاں مقام پر براجمان ہے۔

ن م راشد اور دیگر ہم عصر آزاد نظم کے شاعروں کے کلام کو ان کے عہد میں جس شدت کے ساتھ رد کیا گیا اسی تیزی کے ساتھ اس نے اردو نظم کی روایت میں جگہ بنائی ہے، آج کے ماہرین و ناقدین نہایت افتخار کے ساتھ راشد اور آزاد نظم کو اردو شاعری کی روایت کا اہم ستون قرار دیتے ہیں اور بلا مبالغہ آج آزاد نظم کو معاصر شعری روایت میں جو منصب حاصل ہے۔ وہ اردو شاعری کی کسی دوسری صنف کو میسر نہیں۔ جدیدیت در حقیقت زمین پر انسانی زندگی اور اس کے عقلی استدلال کی زندگی کے متفرق تعاملات کے ساتھ ہم آمیزی کے فکری، علمی، نظریاتی، سیاسی، سماجی، معاشی اور ادبی ارتقاء کا عملی ثبوت ہے۔ کہ انسانی حیات کے رواں دائرے میں ہر عہد کے حقائق اور مسائل دیگر سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہاذا ہر عہد کا ادیب اور شاعر انہیں مختلف انداز پر حل کرتا ہے اور اسی انفراد کو جدیدیت کہا جاتا ہے۔

اس طرح قدیم کی طرح جدید بھی روایت کا ایک مستقل پَرتُو ہے۔ جو انسانی وجود کا اہم نشان ہے۔ اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جدیدیت بھی اپنی اساس میں قدیم ہی ہے مگر اس کا عملی اطلاق اسے نہ صرف قدیم سے الگ کرتا ہے، بلکہ نئے پن اور نئے سانچوں کی تخلیق کے سبب سے ہر عہد میں نیا کہلاتا ہے۔ جدید اور کلاسک کے بیان کردہ تفاعل کے باب میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں کہ:-

"ہر عہد کی جدیدیت اگلے عہد میں کلاسک بن جاتی ہے اور اس کلاسک کے
خلاف ایک نئی جدیدیت کا ظہور ہوتا ہے" (4)

یعنی کلاسیک بننے کے بعد جدیدیت اپنا جدید جوہر کلاسیک میں ضم کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ پہلو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جدیدیت اس وقت تک جدید ہے۔ جب تک وہ اپنے جدید پہلو پر استوار انفراد کو قائم رکھتی ہے۔ اگر وہ اپنی اس انفرادیت کو کھو دیتی ہے۔ تو وہ جدیدیت نہیں رہتی بلکہ کلاسیکی یا کوئی اور درجہ اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح جدیدیت کے مقام سے متعلق نہیں رہتی۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جدید کا کلاسیک ہونا ایک عہد کی جدیدیت کا مثبت چہرہ ہے کہ وہی جدید پہلو کلاسیکی ہو گا جو اپنے زمانے کی انفرادیت کو قبول عام کے درجے سے سرفراز کرے گا اور جس میں اپنے زمانے کا سیاسی، سماجی جوہر شعری لوازمات کے ساتھ موجود ہو گا۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی زمانے کی جدیدیت دوسرے عہد کی کلاسیک نہ بن پائے کہ اس میں کلاسیکی صورت اختیار کرنے کے لیے مطلوبہ عوامل موجود نہ ہوں۔

مصوری، شاعری، موسیقی کے میدان میں ایسے بہت سے نام گنوائے جاسکتے ہیں جو اپنے عہد میں جدیدیت کے پیش کار ہوں۔ مگر آنے والے وقتوں میں انہیں بھلا دیا گیا ہو۔ اردو میں ترقی پسند تحریک کے نمایاں شاعروں کی مثال لیں جن میں سے آج فیض احمد فیض، ساحر لدھیانوی اور چند اور نام یاد رکھے گئے ہیں۔ جبکہ نصف صدی قبل اس دائرے میں معروف شاعروں کی فہرست نہایت طویل تھی۔ صرف احمد ندیم قاسمی کو ہی دیکھ لیں کہ آج کی ادبی تاریخ میں انہیں افسانہ نگار کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ قاسمی کی شاعری (نظم) میں وہ فنی فکری اور نظریاتی عناصر موجود نہیں جو فیض کی نظم میں پائے جاتے ہیں۔ تو گویا اپنے زمانے کا ہر جدید ادب کلاسیکی صورت اختیار نہیں کرتا۔ ہاں مگر یہ بات طے ہے کہ ہر کلاسیکی نشان ایک عہد کا جدید چہرہ ہوتا ہے اور اسی جدید کے خلاف ایک عہد میں نئی جدیدیت منظر عام پر آتی ہے۔

جدیدیت کے اسی اضافی تصور کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

"آج کی جدیدیت کل پرانی ہو جائے گی۔ جو آج جدید ہے وہ کل قدیم ہو جائے گا۔ انہی
معنوں میں ہر جدید میں قدیم مشترک رہتا ہے۔" (5)

یہی وہ بنیادی جوہر ہے جس کے بارے اوپری سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ جدیدیت میں اصل شئے اپنے زمانے کی سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی غرض فرد کے انفرادی اور اجتماعی احساس زندگی کی پیشکش ہے۔ جوں جوں یہ پیشکش واضح با معنی اور عملی زندگی کی حرکیات کے متحرک تمثال بنائے گی۔ توں توں اس ادب پارے میں کلاسیکی جوہر اپنی آب و تاب بڑھاتا چلا

جائے گا۔ جدیدیت اپنی فکری اساس میں معاصر زمان کے حقائق کا تخلیقی اور نظریاتی اظہار ہے، جس کی دوسری پرت اس اظہار کے فنی پیرائے میں مضمر ہوتی ہے۔ جب ہم بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم پڑتا ہے کہ جدید ادب کے پیروکار پیشکش کے متفرق رنگوں کو بھی مرکزی اہمیت دیتے ہیں۔ اردو ادب کی تنقیدی روایت میں اصلاح ادیان کے نظریاتی رویوں، انسان پرستی، وجود پرستی، مارکسزم ایسے مباحث کے دائرے سے جدید مباحث کو قلعہ بند کیا جاتا ہے، جبکہ جدیدیت اپنی اساس اور اپنے فنی، فکرے ڈھانچے کی تشکیل کے معاملے میں اس سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ جدیدیت کا معاملہ ادب تک محدود نہیں یہ اپنی اثر انگیزی سے مذہب، روایات، ثقافتی مکانیت، سماجی تہذیبی ادراک حتیٰ کہ تصور عشق و محبت اور نفرت سے زندگی کے ہر چھوٹے بڑے دائرے کو متاثر کرتی ہے۔ اس نے محض چرچ اور پوپ، انسان کے سماجی و معاشی تفاعل اور اس کے وجودی مظاہر و تصورات کو ہی موضوع بحث نہیں بنایا، بلکہ لفظ اور معنی کے رشتوں کی از سر نو تشریحی اور ساختیاتی حد بندی بھی کی ہے۔

اس نے یورپ، امریکہ میں شاعری کے مباحث میں ایذرا پاونڈ کے توسط سے "تمثال کاری" کی بحث کو عام کیا تو روس میں شکلووسکی اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے "ہیت پرستی" کے تصور سے ادب کے ہیتی ساختے کو وجہ بحث بنایا۔ اس طرح ادب اور مصوری میں "تاثر پرستی"، "اظہار پرستی"، "لغو پرستی"، "دادارزم"، "سرئیلزم" وغیرہ ایسے کتنے فکری محاذ، غور و فکر رکھنے والے اذہان کے لیے عام کیے۔ یہاں تک کہ اس نے محبت اور جنگ و جدال کے قاعدوں پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔ جن پر تفصیلی رائے کا متحمل ہمارا یہ مقالہ نہیں ہو سکتا مگر بنیادی فکر تک رسائی ہر سنجیدہ قاری کا حق ہے۔ جس کو ادا کرنے کی ممکنہ کوشش یہاں کی جا رہی ہے۔ ان نظری مباحث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جدیدیت کے پس منظر کو بھی نظر میں رکھا جائے۔

نئی جدیدیت کے ڈانڈے انیسویں صدی کی اقتصادی ترقی، کارخانے کی چمنی اور آسمان میں مرغولے بناتے دھوئیں کے ساتھ جڑی ہوئے ہیں۔ جس کے ساتھ دو عظیم جنگوں کا سلسلہ آتشِ دو آتشہ کا کام کرتا ہے، جبکہ جدیدیت کے کلاسیکی تناظر کو دیکھا جائے تو ایک طرف افلاطون کے مکالمات سے فروغ پاتی یونانی فکری تنظیم ہے۔ جس کا شجر آج بھی پھل پھول رہا ہے اور افلاطون کی مثالی جمہوریہ کے پیڑ سے آئے روز نئے پودے بیج بٹور رہے ہیں، اور آئے دن نئے نئے اثمار فکر و عمل میں مصروف اذہان کو ملتے رہتے ہیں۔ تو دوسری طرف ساتویں صدی عیسوی میں عرب کے صحراؤں سے تنظیم پاتی نئی انسانی حکمت ہے۔ جس نے انسان اور انسانوں کی حکومت کے رائج تصورات پر کاری ضرب لگائی اور اسی عمل میں ایک طرف یہودیوں کو

مدینہ سے بے دخل کیا گیا اور دوسری طرف فلسطین میں مسجد اقصیٰ کی ملکیت بارے صدیوں سے جاری روایت کو بدل کر رکھ دیا گیا اور یوں انسانی دنیا میں صلیبی جنگوں کی صورت موت اور جنگ کو مذہبی شناخت اور زمانی تقدس کا چولا پہنایا گیا۔

جدیدیت کی معاصر ادبی تفہیم کے لیے بیسویں صدی کے ابتدائی دہوں اور انیسویں صدی کے آخری عشروں کا منظر نامہ دیکھا جاسکتا ہے۔ جب انگریزی ادب میں بالخصوص موضوع اور ہیت کے باب میں سنجیدہ اور دور رس مباحث اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ نشاۃ الثانیہ کے ثمرات سے لدا پھدا انگریزی ادب، اس عہد میں موضوع اور ہیت و تکنیک ہر دو حوالوں سے جدید مباحث کا پیش کار ہے۔ لسانیاتی جدیدیت پر بنیاد تقابلی لسانیات کے مباحث اسی زمانے میں اپنے عروج پر ہوتے ہیں۔ اس تناظر میں ماسکو سکول اف لنگوسٹکس، جینیوا سکول آف لنگوسٹکس سمیت دیگر ادبی اداروں اور مجلسوں نے جدید افکار کی روشنی میں لفظ اور معنی کے رشتے کی نئی تلاش کے ساتھ زبان کو فلسفیانہ ڈسکورس کا حصہ بنایا اور ساختیات، رد ساختیات سمیت کئی نئے افکار کو ادب اور زبان کے دائرے میں شمار کیا۔ اگر ان جدید مباحث کے توسل سے زبان کے معاملے میں بیسویں صدی کی فکری پیش رفتوں کو دیکھا جائے تو ہمیں معلوم پڑتا ہے کہ:-

> "In the 19th century, the philosophers of the 18th-century Enlightenment began to have a dramatic effect on subsequent developments in philosophy. In particular, the works of Immanuel Kant gave rise to a new generation of German philosophers and began to see wider recognition internationally. Also, in a reaction to the Enlightenment, a movement called Romanticism began to develop towards the end of the 18th century. Key ideas that sparked changes in philosophy were the fast progress of science, including evolution, most notably postulated by Charles Darwin, Alfred Russel Wallace and Jean-Baptiste Lamarck, and theories regarding what is today called emergent order, such as the free market of Adam Smith within nation states, or the Marxist approach concerning class warfare between the ruling class and the working class developed by Karl Marx and Friedrich Engels" (6)

بیسویں صدی کے اواخر تک ہم دیکھتے ہیں کہ جرمن، فرنچ اور برطانوی فلسفیوں نے نئے فکر و خیال کی بنیاد پر ادبی دنیا کو انقلاب آفریں حدوں تک متاثر کیا۔ ہمارے ہاں جدیدیت کے مباحث کی تشریح میں زبان کے اس جدت پرست فلسفیانہ سفر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور جدیدیت کو نشاۃ الثانیہ کے احیاء سے انسان پرستی اور اس طرح کچھ دیگر نمایاں نظری مباحث کے ساتھ جوڑ کر محدود کر دیا جاتا ہے۔ گو اپنی اساس میں جدیدیت کا یہ پس منظر بھی درست ہے اور بیسویں صدی کے ابتدائی زمانے اور

انیسویں صدی کے آواخر میں افکار کی تشکیل و تعمیر کا سہرا جدیدیت ہی کے سر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے ہم اپنے معاشرے اور فکریات کی ڈیڑھ سو سالہ تنظیم کو پرکھ سکتے ہیں گویا جدیدیت ہمارے عہد کا فکری مرقع ہے۔اس زمان کی مخصوص بے چینی، ذہنی و فکری کشیدگی، تشویش اور کھچاؤ، انسانی اقدار کا زوال، اجتماعی حیاتِ انسانی کے دگرگوں حالات جو ہولناک جنگوں، تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں، شدید سیاسی سماجی افراتفری، جاہ و اختیار پرستی، فرد دشمن نظریات و عقائد اور روحانی کیفیات کے زوال کا حاصل ہیں، سب کے سب سیاسی معاشرتی معاشی اور طبعیاتی مابعد الطبیعیاتی مظاہر کا اظہار جدیدیت کے پیرائے میں ہوا۔ یہ سب اپنی بنیادی ترتیب و تنظیم میں ابتری و مایوسی، تسلیم شدہ روایات کے خلاف مجموعی طور پر بغاوت، حد سے متجاوز مادہ پرستی، متخیلہ کی مفلسی، فکر اور فنون لطیفہ میں جذبہ و وحدت کا انتشار، عدم تحفظ کے احساس کا غلبہ، سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشرتی، اخلاقی اور جمالیاتی اسرار کی شکست وریخت، شعور و ادراک کی طفولیت، جن سے ہماری ثقافتی اور شعوری حیثیت تشکیل پذیر ہوئی، ان سب نے جدیدیت کے افکار کو خام مال بہم پہنچایا، جو اپنے اصل میں اس فکر کا حاصل ہے، اس کی تاویل و تفسیر بھی اور اس کا انتقاد و انصرام بھی۔

مگر صلیبی جنگوں کے فکریاتی پس منظر اور زبان کے غیر معمولی ارتقاء کو ادب کے جدید تفاعل سے جوڑے بنا یہ دائرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ صورت بھی درست ہے کہ پہلے مرحلے پر قاری / سامع کے لیے ضروری ہے کہ وہ جدیدیت کی فکری فنی اور ہیتی اساس کا تعین معاصر زمان و مکان کے جاری تعاملات کے ارتکاز کے ساتھ جوڑ کر کرے۔ کہ جس کے بغیر یہ بیل کسی مونڈھے نہیں چڑھائی جاسکتی۔

ہمیں یہ بات مرکزی ڈسکورس سے علاحدہ نہیں کرنی چاہیے کہ موجود عالمی تناظر کی تشکیل اور دنیا کی مشرقی مغربی دھاروں میں تقسیم کا پس منظر بھی اپنی اساس میں از حد اہم اور تجزیے کا متقاضی ہے۔ ایڈورڈ سعید (7) ایسے ماہرین نے مابعد نو آبادیات ایسے نئے طرزِ تجزیات کی داغ بیل ضرور ڈالی ہے اور یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت دنیا میں موجود نو آبادیاتی ریاستوں اور نو آبادکاروں کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے اور اس تعلق کی استواری، افزائش اور استحکام میں کون سے عوامل کارفرما رہے ہیں۔ مگر اسی دہلیز پر اُس ماضی کی طرف اشارہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ جو مغرب اور مشرق کے درمیان طاقت کے عدم توازن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ماضی قریب میں اس کا تجزیہ مدینہ میں نئے مذہب کے پیروکاروں، مسلمانوں کی قوت سے گھبرائے ہوئے یہودی، جنہیں آخر کار جلاوطنی کے تجربے سے گذرنا پڑا اور دوسری طرف خیبر کی فتح نے عیسائی اور یہودی اتحاد کی راہیں ہموار کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ 19 ویں صدی کے آخری ٹکڑوں میں زبان کی فلسفیانہ اساس کی تشکیل اور اس

علمیاتی ڈسکورس کے توسل سے معنی اور متن کے درمیان نئے رشتوں کی تشکیل جدیدیت کے اہم رموز میں نمایاں تر ہیں۔ صلیبی جنگوں کے فکریاتی پس منظر اور زبان کے غیر معمولی ارتقاء کو ادب کے جدید تفاعل سے جوڑے بنا یہ دائرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ پہلے مرحلے پر قاری / سامع کے لیے جدیدیت کی فکری فنی اور ہیتی اساس کا تعین جدید سرمایہ دارانہ نظام، جمہوریت اور نئی سائنسی اقتصادی ترقی کے متفرق پہلوؤں سے ہم آمیز کر کے سمجھنا ضروری ہے کہ اس نہایت گہری، لازمی اور غیر معمولی توجیہ سے مفر کی صورت انسان، معاشرے اور مادے کی مثلث سے تنظیم شدہ آج کا سماجی تہذیبی تفاعل ابہام اور پیچیدگی کا شکار ہو سکتا ہے۔ جدیدیت کی فکری بنیاد میں احیائے علوم کی مغربی تحریک یعنی Renaissance کا عمل دخل اساسی نوعیت کا ہے۔

نشاۃ الثانیہ اور احیاء علوم کے زمانے تک مغربی معاشرہ جاگیر داری، شاہی حکومتی نظام اور مذہبی شاہی یعنی چرچ کا رہین کار تھا کہ جن کے سیاسی، معاشی اور اقتدار کے متعلق تعاملات ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ جو معاشرتی تفاعل میں کسی نوعیت کی ایسی تبدیلی کے رونما ہونے کے ساتھ خلاف تھے۔ جو ایک طرف ان کی گرفت کو کمزور کرنے کا سبب ہو اور دوسری طرف عام آدمی کے ذہن کو کشادہ اور فہم کو وسعت دینے میں معاون ہو۔ یہی صورت حال فی زمانہ پاکستان کی ہے۔ جہاں مقتدر ادارے، سیاسی اور صنعتی رؤسا اور مذہبی اشرافیہ کا گٹھ جوڑ ہے۔ جو کسی ایسے فرد، فکر اور ثقافتی ساختے کی معاشرے میں شمولیت کے سخت مخالف ہے۔ جو مروج انتظامی ڈھانچے میں کسی طرح کی اور کسی نوعیت کی کسی تبدیلی کا سبب ہو سکتا ہو۔ ان تینوں طبقات کے پاس ریاستی مشینری کے ساتھ ناگزیر ربط کی وجہ سے دولت کی فراوانی ہے۔ جسے وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بڑے پیمانے پر استعمال میں لاتے اور انسانی ذہن اور رائے کی خرید فروخت میں بروئے کار لاتے ہیں۔

مغربی سماجی تفاعل میں یہ تینوں طبقات شہری علاقوں میں بارسوخ تھے اور اپنے آڑے کسی قوت کو نہیں آنے دیتے تھے۔ اس کے برعکس پاکستان میں یہ مثلث شہری اور دیہاتی ہر دو سطح پر طاقت ور اور مضبوط ہے کہ سیاسی اشرافیہ میں بڑے بڑے جاگیر دار اور دولت مند صنعتکار دونوں برابر کے شریک ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام ترقی کرے اور متوسط نوکری پیشہ افراد میں روز بروز اضافہ ہو۔ ان میں جاگیر دار اپنی حد تک صنعت کار کی روز افزوں دولت اور طاقت سے تنگ ہیں مگر اس کا واضح اظہار اور اس کنارے پر صنعتکار سے اختلاف کی جرات نہیں رکھتے۔ تو صنعت کار اور کاروباری اشرافیہ دل ہی دل میں جاگیر دار طبقے کی لاشریک طاقتی نفسیات سے بیزار ہیں۔ لیکن یہ سب کے سب عوام کے ساتھ برتاو کے نکتہ پر باہم متفق ہیں۔ یہ پڑھی لکھی کلرک مزاج، ٹائی ٹوپی پہننے والی بابو نسل تیار کرنا چاہتے ہیں۔ جو لکیر کی فقیر ہو اور ان کے کاروبار کو وسعت دے، ان

کی صنعتی، جنسی، کاروباری تنظیموں کے پھیلاؤ اور روز افزوں افزائش کے لیے جی جان سے قوت صرف کرے اور بدلے میں قرض پر گاڑی، سود پر مکان کی تعمیر کے لیے فنڈز اور بچوں کی تعلیم کے لیے قرض لینے کے لیے قطار میں لگی ہوئی ہو کہ اس میں اس قدر طاقت اور صلاحیت نہ ہو کہ وہ اپنے حقوق کے حصول کا مطالبہ کر سکے، عجب تماشا ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی آقاؤں سے سود اوپر سود پر قرض حاصل کرتے ہیں اور پھر انہیں کے اداروں میں کما کر یہ سود ادا کرتے ہیں۔

یہی سببِ خاص ہے کہ پاکستان میں آج بھی فرد کی ذہنی حالت بہت پست ہے لیکن مغرب کا عام آدمی جدیدیت کی صورت میں ایک طرح کا سماجی انقلاب برپا کرنے اور اپنی ذہنی صلاحیت کے اعلیٰ اظہار میں کامیاب ہو گیا ہے اور اس انقلاب آفریں تفکر کی جڑیں چودھویں صدی عیسوی سے پھیلتی ہوئی انیسویں صدی عیسوی میں اپنے اثمار سے اپنی قوم کو ثمر بار کرتی ہیں۔ نشاۃ الثانیہ کی تنظیم و ترتیب میں یونان و روما کے مصنفین و فلاسفہ کے متون تک رسائی، کتب کی نئے اصول پر اشاعت کے لئے اشاعت گھروں کی بنیاد گذاری، عام آدمی کا مطالعے اور باہمی کلام کی طرف جھکاؤ، زمانی سطح پر بدلتے افکار کے ساتھ ہم آہنگی، ماورائی اور معجزاتی مذہبی متون کی اندھی تقلید کے برعکس عقلیت پرستی کا فروغ، انسان پرستی اور مفید زندگی گذارنے کی مسلسل سعی، طب، منطق، ریاضی، جیومیٹری، قانون، حیاتیات اور فزکس ایسے مضامین پر مشتمل نصابات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ مارٹن لوتھر (8) ایسے نمائندگان کی طرف سے "اصلاحِ دین" کی کاوشوں نے مغربی معاشرے کی نئی سمت نمائی میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ہم اس وضاحت کو اختصار کی طرف لائیں گے اور جدیدیت کے چند اور ناگزیر پہلوؤں پر اظہارِ خیال کے ساتھ ہی مضمون مذکورہ کو اختتام کی طرف لے جاتے ہیں۔

جدیدیت ایک طرف اضافی طرز تفکر کی حامل ہے تو دوسری جانب نظری اور فکری ضابطہ علم بھی رکھتی ہے۔ جدیدیت کے بارے میں نسیم نشور کا طرزِ خیال نسبتاً مختلف ہے کہ وہ جدیدیت کو زمان کی متحرک سیاسی، معاشرتی تنظیم کے ساتھ، اس کی فاعلی حالت میں جوڑ کر دیکھتے اور اس کی تجزیاتی تفہیم کی کوشش کرتے ہیں۔ نسیم نشور کے مطابق:

> "عصرِ جدید کی کرب انگیز حسیت کا دوسرا نام جدیدیت ہے۔۔۔۔۔۔۔ جدیدیت اسالیبی تجریدیت ضرور ہے مگر اس میں جذبے اور احساس کو ادراک بنانے کی خواہش ہے، روحانیت کو مادیت میں ڈھالنے کی کاوش ہے۔ جدیدیت مکاں کو زماں کا منصب ادا کرتی ہوئی دیکھنا چاہتی ہے۔ کمیت کو توانائی کی شکل و صورت میں دیکھنا چاہتی ہے، جدیدیت بے یقینی کو یقین کے اثبات میں ڈھونڈنا چاہتی ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود جدیدیت کا باطن جمالیاتی مزاج کا حامل ہے لہذا جدیدیت بقول آندرے مارلو، قوتِ تخیل کا عجائب گھر ہے" (9)

نسیم نشور نے جدیدیت کے معنی و مفہوم میں موجود تمام تر گنجلک پن، تمام تر پیچیدگی اور سارے فکری اور اسلوبی اظہار کو فلسفیانہ ڈسکورس میں بیان کیا ہے۔ اس تفہیم میں ہمیں مغربی معاشرے کے بدلتے رجحانات، عوامی خواہشات اور حکمرانوں کے خدشات دکھائی دیتے ہیں تو پاکستان جیسے نو آبادیاتی خطوں میں جاری متوسط طبقے کے ساتھ کشمکش کی روداد بھی واضح ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اس تفہیم میں اشرافیہ اور عوام کے محبت نفرت(love hate) کے جذبات کا کھیل اپنی پوشیدہ شاطر نفسیات کے ساتھ اظہار پاتا ہوا ملتا ہے۔ جہاں جاگیر دار اور ہاری، کارخانہ مالک اور مزدور، سیاست دان اور عوام، ادارہ اور ریاست، بندوق اور نشانہ غرض ہر تہہ اور اس میں نہاں کسوٹی کہیں زماں کو مکاں بنالیتی ہے۔ تو مکاں کو زماں کی نہاد میں پیش کرنے لگتی ہے۔ مذہبی اجارہ داروں کی روحانی اساس کے برعکس صنعتی سرمایہ دارانہ نظام اور ان کے مادی ماحصلات کے مابین تصادم اور ٹکراؤ، سماجی، معاشرتی اور فکری نظریاتی اسرار میں مادہ پسندی کے جوہر کو بھی بامِ روشن پر بیان کیا گیا ہے۔ یوں جدیدیت محض ایک ادبی اصطلاح، سماجی، معاشی اور فلسفیانہ تحریک یا جزو وقتی طرزِ عمل یا رجحان نہیں بلکہ اپنے افادی پیمانے کے بل پر دیگر سماجی، ثقافتی اور تمدنی اقداری منطقوں میں بھی جاری و ساری ہے اور یوں جدیدیت محض ادبی دائرے سے جست بھرتی ہوئی زندگی کے دیگر متفرق اور متحرک تعاملات کا لازمہ بن جاتی ہے۔

یہ زندگی پر پھیلے متغیر رجحانات، اساسی گھمبیرتا میں بنیادی سوال کہ یہ فلسفہ جدیدیت کا، اپنے معنی و مفہوم اور وسعت و اطلاق کی مجموعی کیفیت میں کیا ہے؟ تو ساتھ کے ساتھ تین باہم مربوط، منسلک اور ہم آمیز دائروں خود مختاری، عقلیت اور داخلیت پر ایستادہ ہے۔ جہاں خود مختاری کا تعلق فرد کی انفرادی اور اجتماعی اساس کے ساتھ، عقلیت کا معاملہ دین اور دنیا کے باہم متوازن بہاؤ کے ساتھ اور داخلیت انسان اور اس کے تعمیر کردہ معاشرے میں ذہنی سکون اور باطنی آسودگی کے ساتھ پیوست ہے۔ کہ ان تینوں سے الگ ہو کر نہ تو جدیدیت کوئی فکر ہے اور نہ اس کا کوئی زمانی، مکانی اور انسانی تشخص لائقِ ذکر و بیان ہے۔ اس طرح یہ صنعتی انقلاب اور مشینی تمدن سے الجھے بیسویں صدی کے فرد کو اخلاقی اور اقداری گراوٹ سے نجات دلاتی ہے اور اس عمل میں محض صنعت و مشین کے اخفاء منفی پہلوؤں کی نشاندہی نہیں کرتی بلکہ ادب و فلسفہ اور فکشن و نظم کی فنی اقدار کی بحالی اور بہتر استحکام کے لیے ادب و فن کی بنیاد اسی سائنسی طرزِ فکر، سادہ اسلوب اور عقل پرستی پر استوار کرتی چلی جاتی ہے، جو آنے والے زمانے میں انسان کے لیے ناگزیر ہو چکا تھا۔ جدیدیت کے پیرائے میں جے اے کڈن کے زاویہ نگاہ کی تفہیم و تشریح پر ہم اپنے مضمون کو اختتام پذیر کریں گے:-

> "As for as literature is concerned modernism reveals a breaking away from established rules, traditions and

> conventions, fresh away of looking at man's position and function in the universe and many (in some cases remarkable) experiment in form of style" (10)

گویا اسلوب کی کار فرمائی و کار گذاری بھی جدیدیت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ جس کی ایک نمایاں صورت ادبی پیرائے میں لسانیات اور اسلوبیاتی مطالعات کی جدید روایت ہے۔ جن کا اساسی تذکرہ گذشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں یہ امر وضاحت کا متقاضی ہے کہ جے اے کڈن جدیدیت کے اس پہلو کو زور دے کر بیان کرتا ہے کہ جس کی رُو سے یہ موجود کی تردید اور مروج کے منسوخ پر ایستادہ ہے اور اگر جدیدیت مروج کو آگے بڑھائے یا روایت کی پاسداری کرے تو وہ کسی بھی تناظر میں جدید نہیں۔ یہی مقام جدید اور تازہ کار میں تفریق سمجھنے کا ہے۔ تازہ کار اپنے اظہار میں شئے کو نئے طور پر بیان کرتا ہے اور اس طور میں وہ روایت کی نئی تشریح بھی کر سکتا ہے۔ جو مروج قاعدے کی تفہیم کو مزید آسان یا روایتی بنا کر پیش کرے۔

جدیدیت کا سارا سلسلہ موجود کی تردید پر قائم ہے یہ بذاتِ خود اپنی فکر سے، اپنے عمل سے، اپنے اسلوب سے اور اپنی جزئیات سے رائج کو رد کرتا ہے۔ اردو میں جدید افسانے اور جدید فکشن کی مثال لیں۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم اپنی تکنیک اور پیشکش میں روایتی جبکہ اپنے موضوع میں نئے پن سے لبریز ہے۔ باوجود اس کے کہ اس نظم میں ماضی کی سی اردو شاعری کا عاشقانہ ماحول نہیں اور نہ ہی نظمیہ کرداروں کی کیفیت اردو غزل اور اردو مثنوی کے جیسی ہے ہاں لیکن یہ نظم روایتی پیرائے میں ہی بیان کردہ ہے اور روایتی غزلیہ لفظیات کو ہی نئے امکانات کے ساتھ استعمال میں لاتی ہے۔ لہاذا نظیر اکبر آبادی کو نئے شاعر کے طور پر دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ جدید شاعر کے طور پر نہیں۔

اس کے برعکس ن م راشد کی نظم اپنے تکنیکی پیرائے میں کلاسیکی نظم کے تمام ساختی منطقوں کو رد کرتی ہے۔ یہ نظم اپنی لفاظی کے بہاو میں مروج پابند اور روایتی نظم سے انحراف کے ساتھ ساتھ اپنی مجموعی فضاء میں بھی اردو کی مثنوی بنیاد نظمیہ شاعری کی تردید پر استوار ہے اور بالکل نئے اسلوب، نئی تکنیک، نئی شاعرانہ فضا اور بندشوں کے خلاف محاذ آرائی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تو ن م راشد کی نظم کو جدید نظم قرار دیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت روایتی داستان کے مقابل ناول نگاری اور روایتی عشقیہ صدری کہانیوں کے مقابل بیسویں صدی کے اردو افسانے کی ہے۔ اردو افسانے نے اپنی تکنیک، اپنے تاثر اور اپنی جمالیاتی سطح پر نہ صرف ہندوستان کے مقامی علاقائی صدری کہانی گوئی کے پیرائے کو رد کیا بلکہ اسلوب، تکنیک اور موضوع کی سطح پر نئے امکانات منکشف کیے۔ جس کے سبب منشی پریم چند کو دیگر ہم عصروں سمیت جدید افسانے کا پیش کار خیال کیا جاتا ہے۔

جبکہ خیالستان اور سجاد حیدر یلدرم جدیدیت کے کلی رچاؤ سے محروم ہے کہ اس کے ہاں زندگی کو روایتی رومانی انداز میں دیکھا اور بیان کیا گیا ہے۔ گو سجاد حیدر یلدرم کا اسلوبِ نگارش اور تکنیک کافی حد تک مروج سے مختلف ہے۔ مگر یہ اس کی تردید پر استوار نہیں یہی سبب ہے کہ جدید اردو افسانے کا ماہر اس روایت کو پریم چند اور سعادت حسن منٹو سے جوڑتا ہے۔ جنہوں نے افسانے کی پیشکش سے زندگی کے پتلے کو بے رحم سرجن کی طرح چاک کر دیا اور انسانی ذہن کو حیرت ناکی کے گہرے سمندروں میں ڈال دیا۔

بقول شمس الرحمن فاروقی:-

"حادثہ یہ ہے کہ اس تنسیخ کا کھل کر اظہار ہوا اور جدیدیت وجود میں آئی" (11)

یہی وہ فکری، فنی اور اسلوبیاتی و تکنیکی نیا پن ہے جس کی طرف کڈن اشارہ کر رہا ہے اور جو روایت کے سارے سر چشموں سے منہ موڑ کر اپنی زندگی اور اس کے بہاو کے تمام لوازمات خود لے کر آتا ہے اور اس طرح جدید کہلاتا ہے۔ اس طرح جدیدیت کے پیروکار نے روایت کے دھارے سے الگ ہو کر اپنی جدید روایت کو استوار کیا۔ جس کی اساس جیسا کہ پہلے واضح کیا ہے، عقلیت، خود مختاری اور داخلیت پر رکھی گئی اور جس نے روایت کو یکسر نظر انداز کر کے نئی روایت کو متشکل کیا۔ جس کی مثالیں اردو ادب میں جدید نظم کے فروغ اور استحکام، جدید افسانے اور جدید ناول کے فروغ اور استحکام یہاں تک کہ جدید تنقید کی روایت کی تشکیل اور استحکام کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جدید ماہرین نے نہ صرف روایات سے انحراف کیا، مروج کو رد کیا، مابعد الطبیعیات اور ماورائے عقل سے بیزاری اختیار کی بلکہ تاریخی بہاو میں پہلی بار انہوں نے اس کا کھلے بندوں اعلان بھی کیا۔ انہوں نے روایت سے انحراف، مذہبی معجزہ پرستی سے انکار، انسانی فضلیت کے ساتھ ربط اور تکنیک، اسلوب اور پیشکش کے نئے قرینوں کا بلند بانگ اظہار کیا۔ یہاں تک کہ اپنے استدلال کو اپنا عقیدہ اور اپنی فکریات کو اپنا ایقان بنا کر پیش کیا اور اسی مقام پر جدیدیت کا حامی بہت سوں سے مختلف اور بہت سارے ادب و فلسفہ سے الگ اور نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات

1. Encyclopedia of Social Sciences (Edited by R.A Selugman), Macmillan, New York, 1959, P.564
2. Cambridge International Dictionary of English, Cambridge University Press, London, 1996, P.910

3. افتخار حسین، "جدیدیت" (مضمون) مشمولہ "جدیدیت کا تنقیدی تناظر" مرتبہ اشتیاق احمد،(لاہور: بیت الحکمت، 2006ء)، ص48

4. تبسم کاشمیری،ڈاکٹر، "جدیدیت کیا ہے؟" (مضمون)مشمولہ "نئے شعری تجزیے"،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، 1978ء)، ص151

5. جمیل جالبی،ڈاکٹر،"جدیدیت کیا ہے؟" (مضمون)،مشمولہ"نئی تنقید"، مرتبہ:خاور جمیل،رائل بک کمپنی، کراچی 1985ء، ص116,117

6. https://en.wikipedia.org/wiki/19th-century_ philosophy

7. شرق شناسی، ثقافت اور سامراج اور مسئلہ فلسطین کے مصنف ایڈورڈ سعید، یروشلم میں نومبر 1935 میں پیدا ہوئے اور 1947 میں جنگی اثرات سے محفوظ ہونے کے لیے امریکا چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ایڈورڈ سعید نے اپنی کتاب "شرق شناسی" Orientalism سے جدید نو آبادیاتی نظام کی قلعی کھولی اور دنیا کی توجہ اس اہم ترین مسئلے کی طرف مبذول کی۔ مغربی میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے حوالے سے ان کے موقف نے پوری دنیا کی توجہ کو کھینچا۔سعید دمے کی بیماری سے مقابلہ کرتے ہوئے سال 2003ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔سعید کی تصانیف کو پاکستان میں "ادارہ فروغ قومی زبان،اسلام آباد" نے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

8. مارٹن لوتھر 1483-1546 جرمن پادری،راہب اور ماہر الہیات، جس نے پاپائیت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اعلان کیا کہ "شیطان اپنے عہد کی پیداوار ہے"۔ تفصیل کے لیے کتاب ملاحظہ کریں "سوانح عمری مہاتما مارٹن لوتھر، مصلح دینِ عیسوی" از شردھے پرکاش دیوجی، مطبوعہ، سینٹرل پرنٹنگ پریس،لاہور،1916ء۔

9. نسیم نشور:"جدیدیت کا پس منظر"(مضمون)،مشمولہ "جدیدیت کا تنقیدی تناظر"، مرتبہ اشتیاق احمد،(لاہور: بیت الحکمت،2006ء)، ص79

10. J A Cudden: "Literary Terms and Literary Theory", Penguin Book's, London, 1994, P 551

11. شمس الرحمن فاروقی، "مغرب میں جدیدیت کی روایت"(مضمون)،مشمولہ "لفظ و معنی"شہر زاد، کراچی،2009ء، ص36